

احوال و سوانح

مولانا حافظ محمد عرفان الحق اظہار حقانی

استاذ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

دارالعلوم حقانیہ کے سابق استاذ حدیث شہید شیخ الحدیث حضرت مولانا حسن جانؒ

علامات قیامت میں سے ایک یہ ہے کہ دنیا سے علم اٹھ جائیگا۔ اسکی مزید وضاحت بخاری اور مسلم شریف کی ایک متفق علیہ روایت میں عبد اللہ ابن عمرو ابن العاصؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس طرح کی ہے کہ علم لوگوں کے دلوں سے سلب نہیں کیا جائیگا بلکہ علم والوں کی موت سے علم اٹھایا جائیگا۔ لا الہ الا اللہ کے نام پر حاصل ہونے والے اس ملک پاکستان میں گزشتہ کئی دہائیوں سے خیبر سے کراچی تک نہ جانے کتنے لا الہ الا اللہ کے علمبرداروں (علماء کرام) کو ناحق بیدردی سے خاک و خون میں نہلایا گیا۔ افسوس کہ کسی کے بارے میں آج تک یہ معلوم نہ ہو پایا کہ ان عظیم شخصیات کے سینے کن بد بخت لعنتیوں نے چھلنی کئے۔ یہ نہ صرف اس ملک کے لاء اینڈ آرڈر کے اہلکاروں کی نا اہلی ثابت کرتی ہے بلکہ اس سے حکمرانوں کا دین سے غفلت اور خواب خرگوش کی مستی میں مبتلا ہونا بھی عیاں ہوتا ہے۔ پشاور کے عین وسط میں متحدہ مجلس عمل اور وزیر اعلیٰ ہاؤس کے ناک کے نیچے وزیر باغ کے علاقے میں ایک عظیم استاذ، سکالر، مؤرخ، غزالی زماں، رازی دوراں عاشق رسول ﷺ شیخ الحدیث حضرت مولانا حسن جانؒ کو بیدردی سے رمضان المبارک کے مقدس مہینے کے پہلے عشرے کے دوسرے روز عین افطاری کے لمحات میں شہید کیا گیا۔ اللہ وانا الیہ راجعون۔ رات آٹھ بجے کے خبر نامہ میں جب انکی شہادت کی دلدوز خبر میں نے سنی تو اوسان خطا ہو گئے۔ سکتے کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اسوقت سے اب تک صدمہ اور غم تازہ ہے۔ وما کان قیس ہلکہ ہلک واحد ولكنہ بنیان قوم تہدما اس واقعے سے پورے ملک کے علماء، دیندار اور مخلص مسلمانوں کو جس قدر غم و اندوہ اور تکلیف و درد پہنچا اس کا اندازہ قیوم سٹیڈیم میں ان کے نماز جنازہ میں شرکت کرنے والوں نے بخوبی کر لیا ہوگا۔ حکومتی اہلکار جب قیوم سٹیڈیم میں فاتحانہ انداز سے جنازے میں شرکت کے نام پر داخل ہوئے تو ہزاروں مشتعل لوگوں نے ان کی نا اہلی کے سبب ان کا استقبال جوتوں، پتھروں اور نجانے ان جیسے کتنی حقیر اشیاء سے کیا۔ اسکے باوجود متحدہ مجلس عمل اور حکومت اپنی نا اہلی سے منہ موڑ رہی ہے۔

حضرت مولانا حسن جانؒ شہید کی عظمت کی تعارف کی محتاج نہیں، علم و عمل، تقویٰ و طہارت، اوصاف حمیدہ:

فقہ فتویٰ، تحقیق و تدوین، اخلاص و التہمت، جرأت و شجاعت، جہد و مجاہدہ، حریت و آزادی اور حق گوئی و بیباکی غرض ہر صفت میں وہ ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ آپ انتہائی متواضع شخصیت کے حامل تھے۔ طبعاً آپ نہایت نفیس، سادہ مزاج اور اصول و آداب کے پکے تھے۔ سیرت و تاریخ میں اللہ تعالیٰ نے یدِ طولیٰ سے نوازا تھا۔ ہمیشہ ہر کسی سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آنا ان کے خمیر میں شامل تھا۔ آپ تبسم کناں، راست گو، فصیح و بلیغ، شرافت و مروت کے پیکر، تواضع و حسن معاشرت میں ضرب المثل، خوف خدا کے سوا ہر ذرے سے بے نیاز، عمیق تجربے اور گہرے مطالعہ کے حامل انسان تھے۔

ع دامن نگہ و گل حسن تو بسیار

دارالعلوم حقانیہ اور حضرت مولانا عبدالحقؒ سے عقیدت: شاید ہی صوبہ سرحد کا کوئی علاقہ ایسا ہو جہاں آپؒ قال اللہ و قال الرسول ﷺ کی نشر و اشاعت اور وعظ و تبلیغ کیلئے حاضر نہ ہوئے ہوں۔ ویسے تو موصوف صوبہ بھر کے کئی مدارس میں بطور استاذ متعین رہے۔ تاہم دارالعلوم حقانیہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ، مولانا سمیع الحق مدظلہ اور ہم جیسے حقیروں کیساتھ ان کی خصوصی عقیدت، تعلق خاطر اور شفقت رہا۔ جسے وہ تادم شہادت نبھاتے رہے۔ کچھ برس قبل جب میں نے ”تذکرہ اساتذہ حقانیہ“ کے سلسلے میں ایک سوالنامہ آپؒ کی سوانح حیات حاصل کرنے کیلئے بھیجا تو اس کے جواب میں فرمایا کہ میں خود سوانحی حالات مرتب کر کے دوں گا اور پھر تقریباً ہر ملاقات میں بغیر میرے کسی استفسار کے اس کے لکھ کر دینے کا کہتے رہے۔ ایک آدھ دفعہ احقر نے ان سے کہا کہ آپؒ کے تفصیلی حالات مختلف رسائل اور کتابوں میں چھپے ہیں ان سے میں استفادہ کر لوں گا لیکن ان کا اصرار تھا کہ میں خود ہی خصوصی طور پر لکھ کر دوں گا۔ تاہم ان کی شانہ روز علمی دینی تدریسی، دعوتی اور تبلیغی مصروفیات بیچ میں آڑے رہی۔ افسوس کہ وہ ابھی اپنے حالات مجھے دے نہیں پائے تھے کہ اس عارضی دنیا سے پردہ کر گئے۔ شاید اسی سوالنامے کو مد نظر رکھ کر آپؒ نے ”قانی زندگی کے چند ایام“ کے زیر عنوان خود نوشت سوانح حیات مرتب فرمائی، جواب چھپ بھی چکی ہے۔ بہر حال قارئین کیلئے ان کے مختصر حالات پیش خدمت ہیں۔

نام و نسب: شیخ الحدیث مولانا محمد حسن جان شہید بن مولانا علی اکبر جان بن حافظ جمال الدین بن مولانا خیر الدین بن مولانا بختیار احمد بن مولانا حسن قریشی۔ نسا قریشی النسل تھے۔ آپ کے جد امجد مولانا حسن قریشی افغانستان سے چار سہ میں آکر آباد ہوئے۔

پیدائش: دوم ذوالقعدہ ۱۳۵۶ھ مطابق ۳ جنوری ۱۹۳۸ء کو محلہ میاں کلمے موضع پڑاگ چار سہ میں پیدا ہوئے۔
حلیہ: مولانا حسن جان ظاہری حسن اور باطنی خویوں کا حسین مرقع، سرخ و سفید رنگ، مضبوط لمبا لکھتا ہوا قد، خوبصورت بارعب چہرہ، جس پر سادگی اور علم و فضل کا وقار، فکر و تدبیر، حلم و متانت سے کشادہ پیشانی، بڑی بڑی حسین آنکھیں، چہرے پر لمبی گھنی سفید داڑھی، آواز میں سوز اور گفتار میں بے ساختگی و لطافت، بس یہی تھا دلکش اور حسین حلیہ۔

اعلیٰ تعلیم و اساتذہ: دورہ حدیث شریف کیلئے شوال ۱۳۵۵ھ میں لاہور کے مشہور دینی درسگاہ جامعہ اشرفیہ کا رخ کیا۔ جہاں بقول مولانا حسن جان شہیدؒ نہیں تین دن تک مہتمم مدرسہ مولانا مفتی محمد حسنؒ نے اپنے صاحبزادے مولانا عبدالرحمن اشرفی مدظلہ کے کمرے میں بطور مہمان رکھا اور پھر خصوصی شفقت کا ہر تاؤ کرتے ہوئے ان کو ایک چھوٹا کمرہ عنایت فرمایا۔ مولانا حسن جان شہیدؒ نے احقر سے اپنی آخری ملاقات میں فرمایا کہ میں نے بخاری شریف حضرت مولانا دریس کا مدھلوی، ترمذی شریف مولانا محمد رسول خان ہزارویؒ، مسلم شریف مولانا فیاض الحق کیمبل پوریؒ، موطائین اور لمحادی حضرت مولانا مفتی محمد جمیل احمد تھانویؒ، اور ابوداؤد شریف صاحبزادہ مولانا عبید اللہ مدظلہ (موجودہ مہتمم) سے پڑھی۔ دورہ حدیث کا آخری امتحان اس زمانے میں تقریری اور زبانی ہوتا تھا۔ یہ امتحان موصوفؒ سے خیر المدارس کے مہتمم حضرت مولانا خیر محمدؒ نے لیا۔ جس میں آپ تین ساخیوں کے کلاس میں دوسرے نمبر پر رہے۔ شعبان ۱۳۶۶ھ کو دستار بندی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ اور حضرت مولانا رسول خان ہزارویؒ کے مبارک ہاتھوں سے سبز عمامہ کی صورت میں کروائی گئی۔

درس و تدریس: لاہور سے واپسی پر اپنی مسجد میں ابوداؤد شریف، مقامات حریری، شرح پغمنی کے درس سے تدریس کا آغاز کیا۔ یہ سلسلہ تادم شہادت ۵۱ برس تک جاری رہا۔ یہ نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں شادی و اولاد: ۱۵ ربیع الاول ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۰ ستمبر ۱۹۵۸ء اپنی تالیف زاد لڑکی سے نکاح ہوا۔ آپ کے چار فرزند ہیں، مولانا فیض الحسن، فاضل تھانیہ۔ مولانا عزیز الحسن، مولانا عابد الرحمن اور مولانا فخر الحسن فاضلین امداد العلوم پشاور اور ایک دختر ہیں جو شیح الحدیث مولانا محمد ادریس کے عقد میں ہیں۔

© www.sasiborai.com مولوی فاضل اور منشی فاضل محمد رضا شاہ صاحب مدظلہ العالی
فاضل و خدمات کا استخوان پہلا ہونی مشہور سے اساتذہ اور محرمی اساتذہ و شاہد ہونی مشہور سے مولوی و عالم اور اعلیٰ مدرسہ مولوی

امامت و خطابت: فراغت کیساتھ ہی دورانِ تدریس اپنے علاقے میں امامت کے فرائض بھی انجام دینے شروع کئے، بعد میں شوگر ملز کی جامع مسجد میں خطابت رہی اور حینِ شہادت گزشتہ ۲۰ برس سے درویش مسجد پشاور کی خطابت و سرپرستی پر فائز تھے۔

۱۹۵۹ء میں محکمہ تعلیم کی طرف سے بطور عربی ٹیچر جوائی علاقہ نظام پور نوشہرہ میں تعینات کئے گئے۔ بعد میں اپنے والد کے توسط سے تبادلوہ محل سکول پڑاگ کروایا۔

دارالعلوم حقانیہ کے سالانہ جلسوں میں شرکت: دارالعلوم حقانیہ کے ابتدائی دور میں دس پندرہ برس تک باقاعدگی سے سالانہ دستار بندی کے جلسے منعقد ہوتے رہے۔ اس میں پاک و ہند کے چوٹی کے علماء کرام تشریف آوری فرماتے اور اپنے علمی بیانات سے حاضرین کو محظوظ فرماتے۔ آپؒ نے اس زمانے میں کئی جلسوں میں اکابرین کی ملاقات کیلئے نہ صرف شرکت کی بلکہ ان علماء کرام کے بیانات اپنی ڈائری میں نوٹ بھی کرتے رہے۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ اور تعلیم: ۱۹۶۱ء کے اواخر میں ایک اخباری تراشے میں جامعہ

اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلے کا شیڈول دیکھ کر ایک عریضہ سعودی سفیر کے نام عربی اور انگریزی میں مولانا یوسف بخاریؒ کے سفارتی خط کے ہمراہ بھیجا۔ اس کی منظوری پر آپ نے ۱۹۶۲ء میں سکول کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ پاسپورٹ اور ویزے کے مراحل طے کرنے کے بعد کراچی پہنچے جہاں معلوم ہوا کہ آپ کے دودھیرے ساتھیوں مولانا عبداللہ کا خیلؒ اور مولانا عبدالرزاق اسکندر مدظلہ کا داخلہ بھی ہو چکا ہے۔ یہاں دو تین ہفتے سعودی قونصلیٹ اور پاکستانی وزارت خارجہ کے درمیان اس بات پر نوک جھونک رہی کہ ان طالب علموں کا داخلہ براہ راست کیوں کیا گیا۔ مولانا شہیدؒ فرماتے کہ مجھے اس بات پر کافی پریشانی اٹھانی پڑی اس لئے کہ میں اپنی تمام کشتیاں جلا کر آیا تھا۔ آخر یہ معملہ حل ہو گیا اور روانگی طے ہوئی۔ قیام کراچی کے دوران ہی خواب میں رسول اللہ ﷺ کی رویت کا شرف حاصل ہوا جس میں آپ ﷺ کے ساتھ معائنہ کیا اور نبی کریم ﷺ نے ان کو چوما۔ یہاں سے بذریعہ بحری جہاز سفیدہ الحجاج ہفتہ مہر میں جدہ پہنچے۔ عمرے کی ادائیگی سے فراغت پر مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ چار برس تک یہی تعلیم پانے کے بعد اگست ۱۹۶۶ء میں وطن واپس پہنچے۔ واپسی پر شام، فلسطین اور اردن کی مبارک سرزمین دیکھنے کے لئے بھی جانا ہوا۔

حفظ قرآن: قیام مدینہ کے دوران انہی کوشش اور محنت کی بدولت حفظ قرآن کی دولت سے مالا مال ہوئے۔

مدینہ سے واپسی پر تدریس: مدینہ منورہ سے واپسی پر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے بنوری ٹاؤن اور مولانا عبد اللہ عظیمیؒ نے جامعہ اشرفیہ اور مدرسہ تدریس کے پیشکش میں کسی ایک بھی حصہ نہ لیا۔ یہ منظور خدا ہوتا ہے۔ اپنے والد سرگھر ۔ ا۔ ا۔ العلامہ نو۔ ا۔ ۱۶۷۱ھ۔ ۱۳۸۹ھ۔ ستر لاکھ کا اعزاز کا۔ حوالہ اجماع حدیث کے کتب آکسل

پڑھاتے تھے سات برس تک اسی مدرسہ میں پڑھایا اور پھر دارالعلوم عربیہ ٹیل میں بطور شیخ الحدیث تعیناتی ہوئی، تین برس تک ٹیل میں پڑھایا اس دوران نواب امیر محمد خان کی طرف سے اکبر دارالعلوم مردان میں تدریس کی پیشکش ہوتی رہی ایم اے، گولڈ میڈل، اور صدارتی انعام: ۱۹۷۱ء میں ایم۔ اے کے امتحان میں پوری یونیورسٹی میں اول آئے اور گولڈ میڈل و صدارتی انعام کے مستحق قرار پائے۔

دارالعلوم حقانیہ میں تقرری: جد کرم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق کی دعوت پر دارالعلوم حقانیہ میں شوال ۱۳۹۶ھ مطابق یکم اکتوبر ۱۹۷۶ء کو ۶۰۰ روپیہ ماہوار پر تقرر ہوا۔ قیام دارالعلوم کے دوران ترمذی شریف اور بخاری شریف کے کچھ حصے، مشکوٰۃ شریف جلد ثانی، اور تصریح کا درس دیتے رہے۔ دو برس تک دارالعلوم حقانیہ میں تدریس کا زمانہ رہا۔ ہمیشہ دارالعلوم حقانیہ سے جدائی پر افسوس کرتے تھے اور حقانیہ کے برکات کا اعتراف ہر مجلس میں کرتے۔ ایک جگہ استاذ محترم مولانا عبد القیوم حقانی کے زیر ادارت نکلنے والے ماہنامہ ”القاسم“ میں ”فانی زندگی کے چند ایام“ کے زیر عنوان لکھتے ہیں کہ ”حضرت شیخ الحدیث کے خاندان سے خصوصی تعلق اور فکری و نظریاتی اتحاد رہا۔ جو آج تک قائم و دائم ہے۔“ آگے لکھتے ہیں ”نیا دور اور تعمیری ترقی حضرت مولانا سمیع الحق کی مخلصانہ کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مزید ترقی فرمائیں۔ آمین“ آگے حضرت کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ ”حضرت شیخ الحدیث اپنے اخلاص، تواضع اور شفقت میں اپنی مثال آپ تھے۔ حضرت کی صحبت سے پہلے کبھی کبھی دل میں یہ خیال آتا کہ حضرت کا تواضع محکفانہ نہ ہو۔ مگر انکی صحبت اور دارالعلوم میں رہنے سے یہ معلوم ہوا کہ یہ آپکی طبعی صفت تھی۔ اپنے بچوں کیساتھ نہایت متواضعانہ برتاؤ میں تکلف نہیں ہوسکتا۔ میں اکثر دعا میں حضرت شیخ الحدیث اور حضرت مولانا ٹمس الہادی شاہ منصور بابا جی جیسے نیک اخلاق لوگوں کے وسیلے سے اپنے لئے اللہ رب العزت سے دعا مانگتا ہوں“

دارالعلوم اکبر مردان اور پھر امداد العلوم پشاور میں: حقانیہ کے بعد ۱۳۹۸ھ سے ۱۴۰۳ھ تک اکبر دارالعلوم مردان میں پڑھایا۔ اور شعبان ۱۴۰۳ھ مطابق ۵ جون ۱۹۸۲ء سے تادم شہادت جامعہ امداد العلوم شاہ فیصل مسجد پشاور میں بحیثیت صدر مدرس و شیخ الحدیث خدمات انجام دیں۔

مسجد درویش اور امداد العلوم کا پس منظر: بات درویش مسجد تک پہنچی تو آئیں ذرا اس کے تاریخی پس منظر پر نظر ڈالیں۔ درویش مسجد کے قیام سے قبل پشاور صدر میں اسی مقام پر صیہونیت اور فری مین تحریک کا ایک بہت بڑے اڈا قائم تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کے علاوہ تین اور فری مین لاج ملک کے مختلف گوشوں میں سرگرم عمل تھے۔ یہ تنظیم عالم اسلام میں ملت مسلمہ کے خلاف مختلف سازشوں اور سرگرمیوں کی آماجگاہ بنی رہی۔ حضرت مولانا سمیع الحق نے اس مسئلہ کو ۱۹۷۲ء میں قرار داد تحریک التواء اور مختلف سوالات جمع کر کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق کے نام سے قومی اسمبلی میں اٹھایا اور یہ عار میں ان کے قبضہ سے لینے کی مجوز پیش کی۔ طویل جدوجہد کے نتیجے میں فری مین پر

پابندی لگانے کا فیصلہ ہوا اور ملک بھر میں ایسی عمارتیں حکومتی تحویل میں لی گئیں۔ پشاور کی اس فری مین لاج پر جامعہ مسجد درویش بنائی گئی۔ جس کی سرپرستی مولانا فقیر محمد اور مولانا محمد اشرف سلیمانی نے کی۔ حضرت مولانا مسیح الحق مدظلہ اپنی کتاب ”مکتوبات مشاہیر بنام حضرت مولانا مسیح الحق“ کے عنوان ”مکتوبات مولانا محمد اشرف“ کے حاشیہ میں رقمطراز ہیں کہ پشاور صدر میں مال روڈ پر فری مین لاج کے نام سے ایک پر شوکت عمارت تھی ناچیز نے اس وقت کے قومی اسمبلی میں والد ماجد شیخ الحدیث قدس سرہ کے نام پر یہ مسئلہ سوالات تحریک التواؤ وغیرہ کے ذریعہ اٹھایا اس وقت کے وزیر داخلہ خان عبدالقیوم خان نے جواب میں ایسے تمام مراکز جو صیہونی سازشوں کے اڈے ہیں، کو قومی تحویل میں لینے کا اعلان کیا۔ اور فوری طور پر پشاور کی یہ عمارت بھی مولانا محمد اشرف نے ایک جامع مسجد میں بدل دی۔ اور درویش مسجد کے نام سے اس عظیم عمارت کو اسلامی مرکز میں بدل دیا اور حضرت علامہ مولانا فقیر محمد خلیفہ حضرت تھانویؒ کی سرپرستی میں اسمیں مدرسہ اور دارالعلوم قائم کیا۔ اس معاملہ کی تفصیلات والد ماجد کے قومی اسمبلی میں جدوجہد کی داستان ”قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ“ قرار داد ۴۱ میں شامل ہو چکی ہیں۔ اس معاملہ میں اس حقیر کی کوشش کیا عجب نجات آخرت کا ذریعہ بن جائے۔ فری مین عمارت کی ضابطگی کا معاملہ پشاور تک محدود نہیں بلکہ پورے ملک پر لاگو ہو گیا۔ فالحممدللہ علی توفیقہ ہمارے قابل فخر اور جگری دوست شیخ الحدیث مولانا حسن جان نے دارالعلوم تھانیہ میں تدریس کے بعد اس ادارہ کو خطابت و تدریس کیلئے اپنا مستقر بنایا۔ وہی اسکے روح رواں بنے۔ اور تادم تحریر آج ہی اس شہید اسلام کا جنازہ ہم نے اسی مسجد سے اٹھایا اور علم و ارشاد کے اس درخشندہ ستارے کو سپرد خاک کر دیا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔“

ممبر قومی اسمبلی: ۱۹۹۰ء میں عوامی نیشنل پارٹی کے بڑے سپوت خان عبدالولی خان کے مقابل قومی اسمبلی کے نشست پر بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ جس کے نتیجے میں خان صاحب نے دل برداشتہ ہو کر سیاست سے ریٹائرمنٹ کا اعلان کیا۔ کچھ عرصہ اسمبلی میں گزارنے کے بعد فرمایا کہ شاید ہی اس طریقے سے اسلام کی کوئی خدمت اور نفاذ اسلام ممکن ہو سکے۔ یہی وجہ تھی کہ دوبارہ ہزار کوششوں کے باوجود وہ الیکشن میں حصہ دار نہ بنے۔

شہادت: ہفتہ ۲ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۵ ستمبر ۲۰۰۷ء کو کچھ افراد نکاح کے بہانے آپ کو لے کر گئے اور پھر وزیر باغ کے علاقہ میں مظلومانہ انداز سے شہید کر دیا۔ اللہم اجعل قبرہ روضۃ من ریاض الجنۃ تاریخی نماز جنازہ کے بعد آسمان علم و عمل کے اس عظیم درخشندہ ستارے کو جامعہ احسن المدارس واقع بربل شیخ ولد گڑھی رشیدہ جھکڑا پشاور میں سپرد خاک کیا گیا۔

احقر سے قربت: ایران اور حرمین شریفین کے اسفار میں آپ سے ناچیز کو کافی قربت حاصل ہوئی۔ عظیم المرتبت ہونے کے باوجود اصغر پروری کی بنیاد پر کہیں مجھے خصوصی شفقت اور مدارحمت سے نوازتے۔ جہاں بھی ملتے محبت و شفقت کی بدولت احقر کو سہارا بنا کر اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھ کر چلتے۔

الحق میں جب احقر نے سفر ایران جون ۲۰۰۶ء کا سفر نامہ بعنوان ”مولانا سمیع الحق اور مولانا شیر علی شاہ کا دورہ ایران“ لکھنا شروع کیا تو کئی دفعہ ظرافت میں مختلف مواقع پر فرمایا کہ ہمارا دورہ ایران تو تم نے گول کر دیا نہ تو دوسری مرتبہ ایران لے کر گئے اور نہ ہی ہمارے دورے کا ذکر کیا۔ بعد میں اس کی تلافی کرتے ہوئے اس سفر کے تفصیلی حالات بھی الحق میں قسط وار شروع کئے۔ اس سفر کی تفصیلات لکھنے کے دوران ایک دفعہ شہید مظلوم سے فون پر کانفرنس میں ان کی طرف سے پیش کیا جانے والا مقالہ شامل اشاعت کرنے کیلئے عرض کیا تو فوراً اگلے ہی دن ایک طالب علم کے ہاتھ ارسال فرمایا۔ اس مقالہ کے ہمراہ آپؒ نے اپنے قلم سے لکھا ہوا جو خط بھیجا وہ پیش ہے:

” بسم اللہ الرحمن الرحیم ۱۳۲۸ھ / ۲۲ / ۲۰۰۷ء

برادر محترم مولانا عرفان الحق مدظلہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! حسب الارشاد ”عربی مقالہ“ اور ایران کے دورے کا مختصر بیان اور ایرانی شیعوں کے بارے میں چند تاثرات پیش خدمت ہیں۔ ”الحق“ میں شائع کرانے سے ممنون فرمادیں۔ حضرت مولانا قائد صاحب اور دیگر اہل بیت کرام اور اساتذہ کرام کی خدمت میں تحیہ سلام و آداب عرض کیجئے۔ والسلام از محمد حسن جان۔“ خط کے ہر ہر لفظ سے شفقت و محبت اور تواضع نکلتی ہے۔ افسوس کہ اس وقت عربی سے اردو ترجمہ نہ ہونے کی وجہ اسکی اشاعت اس خیال سے نہ ہو سکی کہ مولانا خود ترجمہ کرینگے تو شائع کیا جائیگا لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ ان شاء اللہ آئندہ کی اقساط میں قارئین کی خدمت میں ان کی دیگر تقاریر کے ساتھ پیش کرونگا۔

آخری ملاقات: آپؒ سے آخری تفصیلی ملاقات دو تین ماہ قبل حاجی غلام فرید سنار صاحب کی فیکسری کے افتتاح کے موقع پر حیات آباد پشاور میں ہوئی۔ جہاں حضرت مولانا شیر علی شاہ اور حضرت مولانا مغفور اللہ مدظلہم بھی موجود تھے۔ اس موقع پر احقر کے مختلف سوالات کے جواب میں آپؒ اور مولانا شیر علی شاہ صاحب نے اپنی زندگی کے تعلیمی دور پر خاص روشنی ڈالی۔ افسوس کہ وہ سب کچھ محفوظ نہ کیا جا سکا۔ تاہم چند ایک باتیں جو یاد ہیں نذر قارئین ہیں۔

سرحد کے ایک نواب کی بیٹی سے شادی کی پیشکش: فرمایا کہ جامعہ اشرفیہ میں دوران تعلیم ایک دفعہ مجھے مولانا مفتی حسنؒ نے اپنے کمرے میں بلا کر کہا کہ اپنے والد صاحب کو لاہور بلاؤ۔ میں سوچ میں پڑ گیا کہ نہ معلوم کس لئے بلا رہے ہیں۔ لیکن پوچھنے کی ہمت نہ ہو سکی میں نے اپنے والد صاحب کو حسب حکم بلایا۔ وہ آئے اور مفتی حسنؒ سے تنہائی میں ملاقات کی۔ بعد میں والد صاحبؒ نے بتایا کہ مفتی صاحبؒ نے ان (مولانا حسن جان) کیلئے سرحد کے ایک بڑے نواب کی بیٹی سے شادی کی پیشکش کی۔ وہ نواب مفتی حسنؒ کے بیٹے سے اپنی بیٹی کی شادی کروانا چاہتا تھا لیکن مفتی حسنؒ نے کہا کہ لاہور سے سرحد کافی دور ہے اس کا ایک اور بہتر نعم البدل یعنی مولانا حسن جان میرے پاس ہے۔ لیکن مولانا کے والد نے یہ کہہ کر انکار فرمایا کہ ہمارے اپنے گھر میں تابیازا دلڑی سے ان کی بات طے ہو چکی ہے۔

ایمان کے بت: افغانستان کے کریک طالبان کی بات سنی تو مجھے آپؒ کے بھرپور سرپرستی اور معاونت فرمائی

تردد تھا، وہ سرے سے ان کو بُت (جن کی پرستش ہو) نہیں مان رہے تھے۔ تو میں نے انہیں یا قوت حموی کے معجم البلدان کا حوالہ دیتے ہوئے قائل کیا کہ اس نے اپنی کتاب میں ان بتوں کی باقاعدہ پرستش کے بارے میں لکھا ہے۔ لہذا اس کا مسمار اور ختم کرنا ہی عین شریعت کا تقاضا ہے۔ جس کے بعد انہوں نے برملا طالبان کی تائید کی۔

مولانا کا ندھلویؒ کی پہلی دفعہ زیارت: فرمایا کہ جب پہلی بار جامعہ اشرفیہ میں داخلے کیلئے پہنچا تو دیکھا کہ وہاں ایک شخص ہندوستانی وضع قطع کے نحیف البدن نلکے سے پانی بھر رہے ہیں۔ میں نے کسی سے مولانا کا ندھلویؒ کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ یہی نلکے سے پانی بھرنے والے کا ندھلوی صاحب ہیں۔ جس سے ان کی اس بے تکلفی اور تواضع دیکھ کر حیران رہ گیا اور اس واقعہ کی ہیبت آج تک میں محسوس کرتا ہوں۔

مولانا سمیع الحق مدظلہ کیلئے پیغام: فرمایا کہ مولانا سمیع الحق کو میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ اکیلے اکیلے بیردن ممالک کی سیر و سیاحت میں مصروف ہو نہیں سکتے کہیں کہیں اپنے ساتھ لے جایا کرو۔

بھانجی کے بارے میں ڈاکٹر کے پاس خود جانے کی پیشکش: میرے بہنوئی سید حاجی گل شاہ اور اس کی بیٹی یعنی میری بھانجی چھوٹی زہری بھی اس مجلس میں ہمارے ساتھ تھی۔ اس کی آنکھوں کی تکلیف دیکھ کر خود فرمایا کہ ایک آدھ دن میں پشاور آؤ تو اس بچی کو ساتھ لے آؤ میں تمہارے ساتھ ڈاکٹر ضیاء الاسلام (آئی سپیشلسٹ) کے پاس جاؤں گا تاکہ اس کا صحیح علاج ہو سکے۔ اس سے ان کی اصغر پروری اور شفقت کا خصوصی برتاؤ سامنے آتا ہے۔

دارالعلوم حقانیہ کے بارے میں آخری تاثرات: فرمایا کہ حضرت مولانا عبدالحقؒ کے بعد ان کے خانوادے میں علم کا تسلسل ہی دارالعلوم کی ترقی کا ضامن ہے۔ کسی بھی مدرسے کی ضرورت اور تعمیر و ترقی سے صحیح معنوں میں اہل علم ہی باخبر ہوتے ہیں۔ دنیا دار اور بے علم مدرسے اور طلباء کی ضروریات و ترقی کو کیا سمجھیں۔ شیخ الحدیثؒ کے خانوادے میں ان کے فرزندوں کے بعد آپ جیسے نوجوانوں کی علم سے دیرینہ وابستگی قابل تحسین ہے۔

علمی نسبت اور روزی کی فراوانی: فیکلٹی میں بعض مزدوروں کو کام کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ یہ بھی

ہماری ہی طرح کے انسان ہیں۔ دھوپ، بارش، گرمی، سردی ہر موسم میں روزی کے حصول کیلئے کام میں مصروف رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے علم کی نسبت سے ہمیں ان کاموں سے فارغ کر دیا ہے۔ کپڑا کٹی تیار وافر مل جاتی ہے۔ اس پر جتنا بھی شکر کیا جائے کم ہے۔ لکن شکر تم لا زید لکم

حج و عمرہ کا ارادہ: مجھے دو تین برس سے حرمین و شریفین میں مولاناؒ کی معیت و صحبت حاصل ہوئی۔ اس مجلس میں

فرمایا کہ میں نے اور حاجی فرید صاحب نے حج کے لئے داخلہ کیا ہے۔ اور رمضان میں بھی عمرہ کے ارادہ ہے۔ تمہارا کیا پروگرام ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی آپ کے تو بڑے بڑے مرید ہیں۔ کسی سے کہہ رہیں بھی ساتھ لے چلیں۔ تو فرمایا کہ ہم سے بڑھ کر تو آپ کے مرید ہیں۔ مولانا شہ علی شاہ مدظلہ نے تائید کرتے ہوئے کہا کہ بالکل بجا فرمایا۔ لیکن